قومی زبان کی اہمیت اور تعلیم کے مقاصد

مولانا سید عبدالوہاب شیرازی
چنار کوٹ، مانسہرہ - فاضل جامعہ محمدیہ، اسلام آباد

پاکستان دنیا کے تمام ممالک میں تعلیم کے میدان میں ۱۶۷ ویں نمبر پر ہے۔ ایک ایٹمی قوت ہوتے ہوئے ہمارے لیے اس سے بڑا شرم کا مقام کیا ہوسکتا ہے؟! اس وقت پاکستان کے عصری و دینی تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے بچوں کی تعداد کروڑوں میں ہے، ایک اندازے کے مطابق صرف پرائمری سکولوں میں چھ سے سات کروڑ بچے زیرِ تعلیم ہیں، لیکن اس تعلیم کے اثرات ہمارے معاشرے میں کہیں دور دور تک نظر نہیں آتے۔ تخلیقی صلاحیت رکھنے والے سائنسدان، انجینئر نہ تو پیدا ہو رہے ہیں اور نہ ہی پیدا کرنے کے لیے کوشش کی جا رہی ہے۔ بس ایک بھیڑ چال ہے اور اسی بھیڑ چال کے مطابق سکول کھل رہے ہیں اور چل رہے ہیں۔ یہ بھیڑ چال غلامانہ ذہنیت اور احساسِ کمتری کا شکار ہونے کی عکاس ہے۔ خاص طور پر پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو چلانے والے تعلیم کے مقاصد سے ہی بے بہرہ ہیں۔

تعلیم کا مقصد

تعلیم کا مقصد بچے کو علم دینا، اس کی تربیت کرنا، اور اس کے اندر تخلیقی صلاحیت پیدا کرنا ہوتا ہے، تاکہ وہ اس تخلیقی صلاحیت سے اپنے آنے والے زمانے میں اس وقت کی ضرورتوں کے مطابق کسی بھی شعبے میں تخلیقی کارہائے نمایاں سرانجام دے سکے، لیکن بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں انگلش میڈیم سکول کے نام سے ایسے ناسور کو پھیلا دیا گیا ہے، جو لاکھوں بچوں کو تعلیم سے کوسوں دور لے جا رہا ہے۔

انگلش کیا ہے؟

انگلش محض ایک زبان ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ زبان ہم سے پانچ سات ہزار میل دور کے علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ اس زبان کے بولنے والے انگریز کہلاتے ہیں، اور اس وقت دنیا میں معاشی، سیاسی لحاظ سے ان کا غلبہ ہے۔ یہ معاشی یا سیاسی غلبہ انہیں انگریز ہونے یا انگلش بولنے کی وجہ

سے نہیں ملا، بلکہ اپنی نسلوں کو اعلیٰ تعلیم ان کی مادری زبان میں دینے اور ان کے اندر تخلیقی صلاحیتیں پیدا کرنے سے ملا ہے۔ کسی بھی شعبے میں تخلیقی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے اس شعبے کے تمام گوشوں کو گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کا ماضی، حال اور مستقبل جاننا، اس کی تاریخ، اس کے اسباب، اس کے اثرات وغیرہ کو جاننا اور جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے، چنانچہ اس مقصد کے تحت سکولوں میں کچھ مضامین شاملِ نصاب کیے جاتے ہیں، مثلاً انجینئرنگ میں تخلیقی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے ریاضی، معاشرے اور سیاست کو سمجھنے کے لیے معاشرتی علوم اور سوشل سائنس، اسی طرح زمین، کائنات اور انسانی جسم کو سمجھنے کے لیے کیمسٹری، فزکس اور بیالوجی پڑھائی جاتی ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کے نظام کے لیے کمپیوٹر سائنس، ڈیٹا سائنس وغیرہ، وغیرہ پڑھائی جاتی ہے۔

پڑھنے والے کروڑوں بچوں میں سے محض چند سو بچے ان علوم میں تخلیقی صلاحیت کے مالک بنتے ہیں۔ باقی وہی پرچون کی دکان کھول کر بیٹھ جاتے ہیں، کوئی گاڑی مکینک بنتا ہے، تو کوئی سبزی منڈی میں آڑھتی، یا کوئی انگلش میڈیم کی معراج یعنی سرکاری ادارے کا نوکر بھرتی ہوجاتا ہے۔ جو چند سو بچے واقعی تخلیقی صلاحیتوں کے مالک بنتے ہیں، یہ وہ بچے ہوتے ہیں جن کے گھر میں انگریزی بولی جاتی ہے اور ان کے لیے انگریزی زبان مادری زبان کی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ وہ جب انگلش میڈیم سکول میں پڑھتے ہیں تو ان کا فوکس کتاب میں لکھے ہوئے الفاظ کا ترجمہ کرنے کے بجائے پیراگراف کے مقصد پر ہوتا ہے اور وہ مقصد اُن کے علم میں آتا ہے، اس طرح ان کے علم میں اضافہ ہوتا ہے، جبکہ باقی لاکھوں بچے جن کے گھر میں پنجابی، پہاڑی، پشتو، سندھی، بلوچی، سرائیکی، کشمیری اور ہندکو بولی جاتی ہے، وہ جب ریاضی کو انگلش میں پڑھتے ہیں تو ان کا فوکس ریاضی کے مقصد سے ہٹ کر الفاظ کا ترجمہ کرنے پر ہوتا ہے، چنانچہ وہ اسی بات میں اُلجھے رہتے ہیں کہ اس لفظ کا کیا معنی ہے اور اس کا کیا معنی ہے؟ وہ ریاضی سیکھ ہی نہیں سکتے۔

وہ جب معاشرتی علوم کو انگلش میں پڑھتے ہیں اور ان کو انگلش میں پاکستان بننے کے اسباب پڑھائے جاتے ہیں تو بھی ان کی ساری توجہ انگلش کے الفاظ کا اردو میں معنی کرنے کی طرف ہوتی ہے اور اس طرح وہ معاشرتی علوم، کلچر، تاریخ سے جاہل ہی رہتے ہیں، کیونکہ ان کا سارا فوکس الفاظ کا ترجمہ کرنے اور کسی نہ کسی طرح امتحان پاس کرنے کی طرف ہوتا ہے۔

ترقی یافتہ ممالک نے کیسے ترقی کی؟

اس وقت دنیا میں سائنسی، معاشرتی، سیاسی یا معاشی لحاظ سے تین بڑی طاقتیں ہیں: ایک چائنہ، دوسری روس اور تیسری یورپ وامریکہ۔ ان تمام ممالک نے سائنسی، معاشرتی، سیاسی یا معاشی

لحاظ سے ترقی اس لیے کی کہ زمانۂ سابق میں انہوں نے اپنی نسلوں کو اپنی مادری زبان میں آسان فہم انداز سے ریاضی، سوشل سائنس، اور جدید سائنس کی تعلیم دی۔

چین کے ماہرین تعلیم کسی بھی پرائی زبان میں تعلیم کے حصول کو پوری قوم اور ملک کے ساتھ ظلم قرار دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ چینی زبان پوری طاقت اور فخر سے ملک کے طول وعرض میں نافذ ہے۔

اس کے برعکس ہم پرائی انگریزی زبان میں حصولِ تعلیم کو باعثِ فخر سمجھ کر قوم کے مستقبل کو تاریکیوں میں دھکیلتے چلے جارہے ہیں۔ بات صرف پڑوسی ملک چین تک نہیں، جرمنی میں بھی پورا نظامِ تعلیم جرمن زبان میں ہے، اٹلی میں اٹالین کو ہی ذریعۂ تعلیم بنایا جارہا ہے، جاپان میں قومی زبان ہی پوری آب و تاب سے رائج ہے، خود برطانیہ اور امریکا میں بھی انگریزی کے سوا کسی پرائی زبان کو تعلیمی یا حکومتی نظام میں مداخلت کی جرأت نہیں۔

ترقی یافتہ ملکوں میں طالب علم کے گھر اور درسگاہ کی زبان بالعموم ایک ہی ہوتی ہے۔ وہ گھر میں جو زبان بولتا ہے، اسی زبان میں اسے اسکول بھی لکھنا، پڑھنا سکھاتا ہے۔ یہ سہولت فطری طور پر اسے نہ صرف آگے بڑھنے میں مدد دیتی ہے، بلکہ عملی زندگی میں خوداعتمادی عطا کرتی ہے۔ وہ کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرتا، پیشہ ورانہ امور سرانجام دیتا اور اپنے علم اور تجربے کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرتا ہے۔ اس طرح پوری قوم کے لیے ترقی کی راہیں آسان اور کشادہ ہوجاتی ہیں۔

آپ ایک دوسری کلاس کے بچے کو یہ بات سمجھانا چاہتے ہیں کہ پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے، اب اس بات کو اس کی زبان میں بتائیں تو فوراً سمجھ جائے گا، لیکن اسی بات کو آپ انگریزی میں پڑھائیں گے تو اس کی ساری توجہ الفاظ، اس کی اسپیلنگ، اور معنی کی طرف ہوگی، جب وہ اس کام سے فارغ ہوگا تب اس فلسفے کی طرف اس کی توجہ جائے گی، چونکہ ایک دن میں اس نے کئی کتابوں کے کئی صفحے پڑھنے ہیں، اس لیے وہ ترجمہ یاد کرنے سے فارغ ہی نہیں ہوتا، لہٰذا اس کا دھیان اس فلسفے کی طرف مڑتا ہی نہیں، چنانچہ وہ امتحان پاس کرکے بھی اس فلسفے سے عاری اور جاہل ہی ہوتا ہے۔

ہمارے بچے چودہویں کلاس تک محض انگلش زبان ہی سیکھ رہے ہوتے ہیں، اور جب ان کو انگلش سمجھ آتی ہے تب تک ان کی شادی ہوکر وہ کسی کاروباری سرگرمی اور گھر پالنے کے چکر میں پھنس چکے ہوتے ہیں۔ انگلش کو محض ایک لینگویج / زبان کے طور پر ضرور نصاب میں ہونا چاہیے، لیکن تعلیم ملک کی قومی زبان میں ہونی چاہیے، تاکہ تخلیقی صلاحیتوں کے مالک نوجوان پیدا ہوسکیں۔

دنیا میں سیاسی غلبہ حاصل کرنے کے لیے ہمیں ایک ایسی نسل کی ضرورت ہے جو سیاست،

معاشرت، کلچر اور تاریخ سے واقف ہو، لیکن انگلش میڈیم سکولوں میں پاکستان اسٹڈی یا معاشرتی علوم کی کتاب انگریزی میں پڑھائی جاتی ہے، ٹیچر بھی ساری رات ڈکشنری سے الفاظ کے معانی تلاش کرتا رہتا ہے اور بچہ بھی الفاظ کے معانی ہی یاد کرتا رہتا ہے، جبکہ اس کتاب کو پڑھانے کا جو مقصد تھا، وہ غائب ہو جاتا ہے۔ یہی معاملہ ریاضی، سائنس اور دیگر علوم کے ساتھ ہوتا ہے۔

خدارا! اپنی آنے والی نسلوں پر رحم کریں اور انہیں علم سکھائیں، صرف انگریزی زبان نہیں۔ اس غلامانہ ذہنیت سے نکلیں، اپنے اندر سے احساسِ کمتری ختم کریں۔ اگر آپ کے پاس ایک عمارت ہے، چند ٹیچر اور ادارہ چلانے کے وسائل ہیں تو اس موقع کو غنیمت جانیں اور احساسِ کمتری کا شکار نہ ہوں، آپ پر اللہ نے احسان کیا ہے، اس موقع سے فائدہ اُٹھائیں، پندرہ بیس سال اپنے پاس آنے والے بچوں کو علم اور فلسفہ ان کی اپنی زبان میں سکھادیں، آنے والی نسلیں آپ کو یاد کریں گی، آپ کی اس کاوش سے ایک ایسی نسل تیار ہوگی جو دنیا میں انقلاب برپا کردے گی، اور آپ آنے والے دور میں انقلاب برپا کرنے والوں میں شمار ہوں گے۔

حافظ اسد اللہ درویش شہیدؒ (متعلم درجہ سابعہ، جامعہ)

جامعہ کے درجہ سابعہ کے طالب علم مولوی اسد اللہ درویش بن مولانا محمد گل ۱۶/رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ بروز جمعرات (مطابق ۲۹/اپریل ۲۰۲۱ء) کو افطاری کے فوراً بعد اپنے والد محترم کے قائم کردہ مدرسہ ''ادارہ تحسین القرآن'' (واقع پرانا حاجی کیمپ لیاری، کراچی) میں بجلی ٹھیک کرتے ہوئے کرنٹ لگنے سے جامِ شہادت نوش کرگئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، اللّٰھم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه.

مرحوم خوش اخلاق، سنجیدہ اور باادب طالب علم تھے، والدین اور اساتذہ کے حد درجہ فرماں بردار اور خدمت گزار تھے۔ مطالعے سے انتہائی شغف تھا۔ شعبان میں امتحانات سے فراغت کے فوراً بعد عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کے زیرِ اہتمام چناب نگر میں ''ختم نبوۃ'' کورس کیا، رمضان سے تین دن پہلے گھر واپسی ہوئی۔ شہادت سے ایک روز قبل رمضان کی پندرہویں رات کو تراویح میں ختم قرآن ہوا۔ شہادت کے وقت اُن کی عمر ۲۳ سال تھی۔

قارئینِ بینات سے اُن کے لیے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔